ڈاکٹر سیّد کامران عباس کاظمی

صدر، شعبۂ اردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

پاکستانیت کے تناظر میں ناول ”خدا کی بستی“ کا تنقیدی تجزیہ

Abstracts

Acritical analysis of the novel *Khuda ki Basti* in the Context of Pakistanism

By Dr. Syed Kamran Abbas Kazmi, HoD Urdu, International Islamic University, Islamabad.

Term *Pakistani literature* refers to a literature that is compatible with Pakistan's traditions, values, national sentiments and its background.From this term, the movement of Pakistani literature was originated, which was also well represented by Urdu novelists. Shaukat Siddiqui (1923-2006) is an important reference in the literary perspective after the establishment of Pakistan. His novel *Khuda ki Basti* (1958) not only brings out the important intellectual aspects of Pakistanism, but through it, he laments the people who are being exploited in every field of life. So, this novel is not only the expression of its time and era but also a representative of Pakistanism. In this research paper, an attempt has been made to bring out the political and social problems and ideological references of Pakistan in the context of the novel *Khuda ki Basti*, which were faced by the masses immediately after the creation of Pakistan.

Keywords: Pakistani Literature, Shaukat Siddiqi, *Khuda ki Basti*, Intellectual aspect, Novel.

کلیدی الفاظ: پاکستانی ادب، پاکستانیت، شوکت صدیقی، خدا کی بستی، فکری تناظر، ناول

قیام پاکستان کے بعد جن اہم فکری رویوں کو پذیرائی حاصل ہوئی ان میں پاکستان کی تہذیبی اساس کے حوالے سے کیے جانے والے سوالات بہت اہمیت کے حامل ہیں۔اسی دور میں جنم لینے والے ادبی مباحث میں ایسے ادب کو پاکستانی ادب کہا گیا جو پاکستان کی فکری و تہذیبی صورت حال، روایات اور پیش منظر سے موافقت رکھتا ہو۔انھی مباحث نے آگے چل کر پاکستان کی جغرافیائی حدود کے اندر اس کی انفرادی شناخت کے حوالے کو سوالیہ نشان بنا دیا۔یہی وہ دور ہے جب حسن عسکری نے پاکستانی ادب کے نعرے کو بلند کیا۔اگرچہ عسکری کے پاکستانی ادب کے اس نعرے کے پس منظر میں ترقی پسند تحریک کی مخالفت پوشیدہ تھی کیونکہ جب ترقی پسند تحریک کا شور تھا تو پاکستانی ادب کا قضیہ بھی خاموش ہو گیا۔ پاکستانی ادب اور اس کے آغاز، بعد ازاں جنگ ستمبر ۶۵ء کے بعد پاکستانی ادب کی نئی تحریک کا جائزہ لیتے ہوئے، قیام پاکستان کے وقت تخلیق ہونے والے پاکستانی ادب کا احاطہ ڈاکٹر رشید امجد نے ان الفاظ میں کیا ہے:

> اس وقت اس بحث کا مطلب ترقی پسندوں کے خلاف محاذ بنانا تھا لیکن اب یہ بحث پاکستانی ادب کی حقیقی شناخت کا مسئلہ ہے کہ اردو کی دوسری بستیوں میں لکھے جانے والے ادب سے پاکستانی ادب کیسے اور کیوں مختلف ہے اور ہم اس سارے ادب کو اردو ادب کہنے کے بجائے پاکستانی ادب کیوں کہنا چاہتے ہیں۔[۱]

پاکستانی ادب کی یہ شناخت دو طرح کے مباحث کو جنم دیتی ہے۔ کیا ۴۷ء سے قبل لکھا جانے والا ادب پاکستانی ادب شمار نہیں ہو گا؟اس طرح پاکستانی ادب کی عمر بہت کم رہ جائے گی اور ضمناً یہ سوال بھی پیدا ہو گا کہ تخلیق ادب تو ادبی روایت میں رہ کر ہی ممکن ہے، اس لیے اگر ۴۷ء سے قبل کے ادب کو اپنایا نہیں جائے گا تو اس روایت کو رد کرنا ضروری ہو گا۔ دوسرا سوال اسلامی ادب سے جڑا ہوا ہے۔یعنی پاکستانی اور اسلامی ادب باہم مترادف ہیں، تو کیا عرب، ایران اور دیگر مسلم خطوں میں لکھا جانے والا ادب اسلامی تصور ہو گا؟ کیا ان تمام خطوں کے ادب میں کوئی قدر مشترک ہو گی؟ محض مذہب کے فکری اشتراک سے ادبی اقدار و روایات ایک جیسی قرار دی جا سکتی ہیں؟ پاکستانی ادب اور تہذیب یا بالفاظ دیگر پاکستانیت کا شعور یا پاکستانی قومیت کا شعور کیا ہے؟

پاکستان ایک ایسا خطہ ہے کہ اس خطے میں آباد قومیں قدیم تاریخی تہذیبی مذہبی، لسانی، ثقافتی، سماجی اشتراکات کی حامل ہیں۔ ان تمام اقوام کے مابین تہذیب کا مشترک عنصر مذہب ہے۔ اسلام پاکستانی خطے میں بسنے والی بڑی چھوٹی تمام نسلی، علاقائی اقوام کے مابین قدر مشترک ہے۔ پاکستانی قومیت کی تشکیل کے حوالے سے سبط حسن ہر دو نظریات یعنی 'ارضی' و 'روحانی' سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> پاکستانی تہذیب پر غور کرتے وقت ہمیں بعض امور ذہن میں رکھنے چاہییں۔ پہلی

بات تو یہ ہے کہ ریاست فقط ایک جغرافیائی یا سیاسی حقیقت ہوتی ہے اور قوم اور اسی کے واسطے سے قومی تہذیب ایک سماجی حقیقت ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ریاست اور قوم کی سرحدیں ایک ہوں۔ [۲]

گویا یہ ممکن ہے کہ جدید تنظیمی امور میں ڈھلی ہوئی ریاست مختلف اقوام کا مجموعہ ہو لیکن ان کے ایک ساتھ رہنے سے بعض اشتراکات از خود جنم لے لیتے ہیں جو ان کی مجموعی پہچان بن جاتے ہیں۔ تین طرح کے تہذیبی عوامل اردو ناول پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں یعنی وسطی ہند اسلامی تہذیب، سندھ ساگر و اسلامی تہذیبی عناصر اور خالصتاً پاکستانی عصری صورتحال۔ پاکستانی عصری صورتحال میں قبل الذکر دو تہذیبوں کا ادغام اور پاکستانی خطوں پر مشتمل تاریخی رشتوں میں پیوست تہذیبی اقوام کے ملاپ سے ایک نئی صورت شکل پذیر ہو رہی ہے اور یہ ادغام پاکستانی قومیت کا پیش خیمہ ہے۔ کیونکہ یہاں علاقائی، قومی اور نسلی و مذہبی تشخص کے مسائل گہری سطح تک موجود ہیں۔ آئین ٹالبوٹ نے اپنی کتاب تاریخ پاکستان کے ابتدائیے میں پانچ ایسے اثرات کا ذکر کیا ہے جو قومی تشخص کا شعور اجاگر کرنے میں مزاحم رہے ہیں۔ ٹالبوٹ کا اس حوالے سے کہنا ہے:

ان اثرات میں پہلا تو علاقائی تشخص اور مسلم نیشنلزم کا متصادم رشتہ ہے جو تحریک پاکستان کے دوران بھی خصوصاً بنگال اور سندھ میں کچھ زیادہ ڈھکا چھپا نہ تھا۔ دوسرا اثر اسلام او مسلم نیشنلزم میں نہایت ہی گنجلک اور الجھاؤ پر مبنی رشتہ ہے جو نوآبادیاتی عہد کا یادگار ہے۔

تیسرا اثر سیاسی عدم رواداری اور تعصب سے عبارت وہ کلچر تھا جسے دراصل مسلم لیگ نے کانگریس اور پنجاب میں اپنے مضبوط حریف یونینیسٹ پارٹی کے خلاف جدوجہد کو اپنا شعار بنالیا تھا۔

نوآبادیاتی دور کی چوتھی وراثت جو پاکستان کے حصے میں آئی اور یہاں کی مقتدر ہستیوں نے جسے اپنے پلو سے باندھ لیا بالواسطہ حکمرانی کا اصول تھا یعنی زمینداروں، قبائلی سرداروں اور راجا مہاراجوں کے ذریعے اپنی حکومت و انتظامی امور کو چلانا جو کہ نو آبادیاتی دور کا خاصہ تھا۔ آخری نکتہ ان متنوع تاریخی روایات سے متعلق ہے جو پاکستان کے ورثے میں آئیں۔ [۳]

ٹالبوٹ کی اس رائے سے اختلاف ممکن ہے بالخصوص محض مسلم لیگ پر یہ الزام دھرنا کہ سیاسی عدم رواداری اس کا شعار بن چکی تھی، درست نہیں یا حالات کا مکمل معروضی تجزیہ نہیں ہے۔ البتہ نوآبادیاتی عہد نے جس طرح قوم پرستی کو ہوا

دی اس سے یقیناً مسلم قومیت کا تصور کمزور ہوا۔ پاکستانی تصور قومیت کی تشکیل میں اسلام ایک اساسی عنصر کے طور پر موجود ہے لیکن بعض افراد نے محض اسلام کے تصور تہذیب کے عمل پر اتنا اصرار کیا کہ یوں لگنے لگا ہے کہ برصغیر میں اسلام کی آمد سے قبل اس خطے میں جو آج پاکستان پر مشتمل ہے، تہذیب تھی ہی نہیں۔

قومیت کی کوئی حتمی تعریف متعین نہیں کی جاسکتی البتہ نتیجے کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ افراد کا ایسا مجموعہ جو تاریخی اعتبار سے ایک مخصوص جغرافیئے سے تعلق رکھتا ہو اور ان میں بعض خصوصیات مشترک ہوں، اور وہ سماجی و تہذیبی اشتراکات کے حامل ہوں اور کسی مخصوص یا خود وضع کردہ تنظیمی ڈھانچے کے تحت زندگی گزار رہے ہوں وہ ایک قوم تصور ہوں گے۔سماجی اشتراکات مذہبی ولسانی بھی ہو سکتے ہیں۔ پاکستانی قوم کے شعور میں مذہب یعنی اسلام کے علاوہ تصوف کی عظیم صوفیانہ روایت اور سندھ ساگر کی قدیم تہذیبی تاریخ، زرعی خصوصیات، کئی طرح کے رسوم و رواجات بھی مشترکہ حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ پاکستانی معاشرہ مسلسل تہذیبی میل جول کے بڑھنے سے تہذیبی ادغام اور واحد قومیت کی جانب بڑھ رہا ہے۔قومیت کے ان تنوعات سے مشترک یا واحد قومیت کی تشکیل کے جدید عہد میں دیگر اسباب بھی موجود ہیں۔

ادب کا تعلق سماج سے ہوتا ہے اور اس کی اقدار آفاقی بھی ہوتی ہیں اور اپنے عصر کی نمائندہ بھی ہوتی ہیں۔ ادب کی آفاقیت کی بنا پر ادب عالیہ ہر عہد اور ہر علاقے میں یکساں دلچسپی برقرار رکھتا ہے جبکہ اپنی عصری آگہی کی بدولت کسی خاص عصر میں انسانی زندگی کے غم و الم کو بھی منعکس کر رہا ہوتا ہے۔ ادب اپنے تخلیقی منطقے کے جغرافیائی تصورات، تاریخ اور تہذیب سے تہی نہیں ہوتا۔اسی لیے کسی خاص جغرافیائی منطقے کے ادب کو الگ شناخت کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے پاکستانی ادب نے بھی اپنی الگ شناخت قائم کر لی ہے۔ پہلی سطح پر اس میں وہ فکری روح ہے جو اس خطے کے اکثریتی افراد کی زندگیوں کا حصہ ہے یعنی اسلام۔ بعد ازاں دیگر مختلف ارضی تہذیبی دھاروں کا ادغام ہے جو بالخصوص پاکستان کی شہری زندگیوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ گویا تہذیبی اشتراک کے ساتھ ساتھ لسانی اشتراک کی صورت گری بھی نمایاں ہو چکی ہے۔ نیز پاکستانی ادب کے بڑے کل یعنی اردو ادب میں پاکستان کی دیگر زبانوں کے اثرات بھی نمایاں ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹر رشید امجد نے پاکستانی ادب کی شناخت کے تین نمایاں رجحان وضع کیے ہیں۔ ان کے طویل اقتباس کا ملخص ذیل میں پیش کیا جاتا ہے اور یہ اقتباس اس مقالے کے لیے پاکستانی ادب کی شناخت کے حوالے سے ماحصل کے طور پر دیکھا جائے:

> فکری، تہذیبی اور لسانی تینوں حوالوں سے پاکستانی ادب کی اپنی ایک شناخت ہے۔ لسانی حوالوں سے دیکھا جائے تو پاکستانی اردو اپنے علاقائی اثرات اور دوسری پاکستانی زبانوں کے تال میل سے اس اردو سے بہت مختلف ہے جو اس وقت بھارت میں لکھی

> اور بولی جا رہی ہے۔۔۔ چنانچہ اس زبان میں لکھا جانے والا ادب لسانی حوالوں سے الگ پہچان رکھتا ہے۔ دوسری بات فکری شناخت کی ہے۔ ہماری فکری روایت کی بنیادی علامتیں ہمارے ملی جذبوں اور امت مسلمہ کے تاریخی سفر سے وابستہ ہیں۔ جذباتی اور فکری طور پر ہمارے ڈانڈے اپنی مرکزیت ہی سے جڑے ہوئے ہیں۔۔۔ فکری تناظر اور ہئیت وتکنیک اور زبان و بیان کے حوالے سے لکھا جانے والا ادب پاکستانی ہے۔ تیسری بات تہذیبی اثرات کی ہے۔۔۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ پاکستانی تہذیب اپنی علاقائی تہذیبوں، اجتماعی سوچ، نظریہ حیات اور اجتماعی خوابوں سے مل کر بنی ہے۔ پاکستانی ثقافت کی یہ صورت جو مجموعی فضا بناتی ہے وہ پاکستانی ہے اور ہمارے اردو ادب میں اس فضا کا اظہار پاکستانی ٹچ دیتا ہے۔ (۴)

درج بالا مباحث میں کوشش کی گئی ہے کہ کسی طرح پاکستانی قومیت کا شعور اور پاکستانی ادب کے لاینحل مسائل کی گرہ کھولی جائے اور کسی واضح نتیجے تک پہنچا جائے۔ اس ضمن میں بنیادی المیہ یہ ہے کہ ادبیات اردو کے مفکرین نے اس موضوع پر متعدد مقالات لکھے ہیں لیکن ان کی تان اس مسئلے پر ٹوٹتی ہے کہ پاکستانی ادب کیا ہونا چاہیے؟ بجائے اس کے کہ وہ اس امر کو موضوع بحث بنائیں کہ پاکستانی ادب کیا ہے؟ البتہ یہ مباحث جاری رہنے سے ادب کے آفاق کو وسعت ملے گی اور اس میں نئے نئے فکری تجربات کے راستے کھلیں گے۔

اُردو ناول میں پاکستانی قومیت کے شعور میں حائل رکاوٹوں کا اظہار بے دھڑک ہوا ہے۔ پاکستانی سیاست اور عمومی سماجی صورتحال کا ادراک کرنے کے بعد ناول نگاروں نے اس جبر کے ماحول اور نوآبادیاتی نظام کے تسلسل کو جس طرح زد پہ رکھا ہے اس سے بطور مجموعی ایسی فضا پیدا ہوگئی ہے کہ اب عام لوگ حبس زدہ موسموں کے خلاف احتجاج کرتے ہیں اور جبر کا سامنا کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

اُردو ناول میں اس پہلو کو بھی اجاگر کیا گیا ہے کہ اس خطے کے عوام نے آزادی فقط غیر ملکی سامراج سے ہی حاصل نہیں کی بلکہ ہندو اکثریت کے غلبے سے بھی آزادی حاصل کی ہے۔ کیونکہ ملک کی تشکیل کا مقصد وحید ایک ایسی اسلامی تجربہ گاہ کا قیام تھا کہ جہاں اسلام کے تصورات کا عہد جدید کے مسائل کے پیشِ نظر تجزیہ کیا جا سکے۔ قیام پاکستان ایک تہذیبی تسلسل بھی ہے۔ اس خطے کی مخصوص تہذیب اور پھر اس پر اسلامی اثرات کی حامل پاکستانی قومیت صدیوں سے الگ شناخت کے مراحل سے گزرتی ۱۹۴۷ء میں پاکستانی قومیت کے موجودہ روپ میں ڈھل گئی۔ گویا یہ وہی تہذیبی تسلسل ہے جو ''بہاؤ'' میں نظر آتا ہے کہ تہذیب وقت کے ساتھ اپنا چولا بدلتی رہتی ہے۔ گزشتہ تہذیب کے مرگھٹ پر نئی تہذیب کا جنم ہوتا ہے۔ پاکستانی قومیتی تشکیل میں یہ احساس موجود رہا ہے اور اردو ناول میں بھی اس کی عکاسی ہوئی ہے۔

اس ضمن میں مستنصر حسین تارڑ کے ناول ''راکھ'' ''خس و خاشاک زمانے'' اور ''قلعہ جنگی'' معاشی و تہذیبی بدلاؤ اور تحریک کے لیے اہم ناول ہیں۔ جبکہ پاکستانی سماج کی سیاسی و سماجی صورتحال کی عکاسی کے ساتھ ساتھ نفسیاتی عوامل کا گہرا شعور مرزا اطہر بیگ فاروق خالد اور عاصم بٹ کے ناولوں میں ملتا ہے۔ اس ضمن میں ''غلام باغ'' اور ''حسن کی صورتحال'' اطہر بیگ ''سیاہ آئینے'' از فاروق خالد جبکہ محمد عاصم بٹ کے ناول ''دائرہ'' اور ''بھید'' اہم ہیں۔ معاشی آسودگی کی تلاش ہر سماج کا مطمع نظر ہوتی ہے۔ اردو ناول نگاروں نے ان وجوہات کا ادراک بھی کیا ہے جو معاشی آسودگی کے حصول میں رکاوٹ ہیں اور جدید معاشیات اور اس کے نظام کو سمجھنے کی کوشش بھی ناول میں نظر آتی ہے۔ اردو ناول نگاروں کا فہم اس امر پر واضح ہے کہ کوئی بھی قوم اقتصادی آسودگی کے حصول کے بغیر نہ اپنی آزادی کا تحفظ کرسکتی ہے اور نہ سماجی آسودگی کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ معاشی آسودگی کے حصول کے لیے اندرون ملک پھیلتے صنعتوں کے جال اور جدید زرعی ٹیکنالوجی کے استعمال کے علاوہ افرادی قوت کے بیرون ملک منتقلی اور ترسیل زر نیز دیگر موضوعات بھی ناول میں برتے گئے ہیں۔

پاکستان کی عالمی برادری میں اہمیت اور مخصوص جغرافیائی صورتحال کے باعث دوسری اقوام سے اس کے تعلقات کی نوعیت بھی ناول کا موضوع بنتی رہی ہے۔ قوموں کی برادری میں پاکستان کے کردار کو بھی ناول نگاروں نے موضوع بنایا ہے اور اس کے تمام پہلوؤں کا بخوبی احاطہ کیا ہے۔ اس مقالے میں پاکستانی قومیت کی تشکیل میں درج بالا مثبت عناصر کے علاوہ دیگر سماجی مسائل کا احاطہ کیا جائے گا۔

ان مباحث کو شوکت صدیقی کے اردو ناولوں کے ساتھ متصل کرتے ہوئے دیکھا جائے گا کہ ان کے ناولوں میں پاکستانی ریاست اور عوام کو درپیش مسائل، پاکستان میں جنم لینے والے فکری و فلسفیانہ سوالات، عالمی فکریات و فلسفے کے اثرات، قوموں کی برادری میں پاکستانی اہمیت و حیثیت، ملک میں سیاسی و معاشی ابتری اور اس کے عوام کی زندگیوں پر نتائج، فرد کے داخلی و خارجی احساس پر اثرات وغیرہ جیسے موضوعات کا احاطہ کیسے کیا گیا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد کے ابتدائی برسوں میں اردو ناول اور بالخصوص اردو افسانے کا بنیادی موضوع فسادات کا المیہ اور اس سے جنم لینے والے دیگر مسائل تھے البتہ اس دوران ناول نگاروں کی توجہ دیگر سماجی مسائل پر بھی مرکوز رہی۔ آنگن، آگ کا دریا، زمین، اداس نسلیں وغیرہ کے موضوع میں تقسیم، نئے ملک کی تشکیل، فسادات جیسے موضوعات شامل تھے لیکن ان تخلیقی ذہنوں نے خوابوں کے ٹوٹنے کے عمل کو بھی موضوع بنانے کا آغاز کر دیا تھا۔ وسطی ہند سے ہجرت کر کے آنے والوں کے کچھ آدرش تھے۔ بالخصوص نئی ریاست کا تصور ان کے ذہنوں میں ایک فلاحی یا اسلامی فلاحی ریاست کا تھا۔ مگر جلد ہی ان ناول نگاروں نے سمجھ لیا کہ سماج میں ایک عجب طرح کا لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ آنگن کے آدرشی کردار ہوں یا 'کمال' کا 'طلعت' کو آگ کا دریا میں لکھا جانے والا خط، اس امر کے غماز ہیں کہ سماجی ناانصافی،

معاشی عدم مساوات اور طبقاتی تفاوت کی خلیج پاٹنے کے لیے دولت کا حصول ضروری ہے۔ ان سماجی مسائل کو اردو ناول میں قیامِ پاکستان کے بعد شوکت صدیقی نے سب سے قبل موضوع بنایا۔ ان کے ناول میں جدید زندگی میں پھیلتی ناانصافی، عدم رواداری، خود غرضی، سماجی ناآسودگی وغیرہ ناول کی کہانی کو آگے بڑھانے والے موضوعات ہیں۔ خدا کی بستی شوکت صدیقی کی ترقی پسند حقیقت نگاری کا غماز ہے۔ اس ناول کا موضوع پاکستانی شہر میں بسنے والے ادنیٰ طبقات اور متوسط طبقات کی زندگی اور اس کے مسائل ہیں۔ شوکت صدیقی کا شہری زندگی کا مشاہدہ بالخصوص شہری زندگی کے نچلے اور متوسط طبقات کا گہرا مشاہدہ ہے۔ ناقدین نے بالعموم شوکت صدیقی کو جدید زندگی کا پریم چند کہا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے ناول زندگی کی ہو بہو تصویر کشی کرتے نظر آتے ہیں۔ تقسیم کے بعد اردو ناول میں تہذیبی بحران کا احاطہ کرتے ہوئے ڈاکٹر مشتاق احمد وانی خدا کی بستی کے تخلیق کار کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> انھوں نے بھی پریم چند ہی کی طرح زندگی اور اس کی گوناگوں تلخیوں اور مسائل کو وسیع تر تجربات و مشاہدات کے آئینے میں دیکھا اور اپنے زمانے کی ان تمام سماجی کشمکشوں، اقتصادی الجھنوں، اخلاقی گمراہیوں اور پیچیدہ معاشرتی خرابیوں کو بڑی جسارت اور اعلیٰ فنی چابکدستی کے ساتھ ناول کے پلاٹ میں سمونے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ خاص طور سے شوکت صدیقی نے تقسیم ہند کے بعد کی زندگی اور نو تشکیل پاکستانی معاشرے کے مسئلوں کو خوب صورتی سے یوں پیش کیا ہے کہ وہاں کے عوام کی زندگی کا کوئی بھی پہلو نظر انداز نہیں ہوتا۔۔۔ صالح انسانی معاشرے کی تشکیل کے لیے اعلیٰ انسانی قدروں کی پذیرائی کو اہم قرار دیا ہے۔ [۵]

خدا کی بستی (۱۹۵۹ء) تشکیل پاکستان کے بعد کے سماج کی تصویر کشی کرتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام پاکستانی سماج کو اپنی گرفت میں لے رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ سماجی، مذہبی، اخلاقی، اقتصادی حتیٰ کہ خانگی و ازدواجی اقدار بھی بحران کا شکار ہو رہی ہیں۔ زندگی کے سماجی پہلوؤں کے روزمرہ مسائل کا احاطہ ناول نگار نے خوب کیا ہے۔ پاکستان کا زرعی سماج تشکیل پاکستان کے ایک عشرہ بعد بھی جاگیرداروں سے چھٹکارہ نہیں پاسکا اس پر مستزاد کہ سرمایہ دارانہ اقدار بھی سماج میں سرایت کر گئی ہیں جبکہ سیاست پر براجمان طبقات عوام کے استحصال میں مصروف ہیں اور عوام کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ انتشار اور انارکی کی کیفیت بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان اس ناول کے بارے میں لکھتے ہیں:

> شوکت صدیقی کا ناول خدا کی بستی اس وقت وجود میں آیا جب پاکستان کی تخلیق کو ایک عشرہ گزر چکا تھا اور اس عرصہ میں یہ نیا ملک سیاسی، سماجی و اقتصادی انتشار کی حالت میں تھا۔ آدرش اور تصورات ٹوٹ رہے تھے۔ مایوسی کی کیفیت تھی اور چاروں

طرف خود غرضی اور مفاد پرستی کی جو فضا تھی اس نے ادیبوں کو کرب میں مبتلا کر رکھا تھا اسی فضا میں شوکت صدیقی نے ایک چھوٹی سی گھٹن زدہ اور کچلی ہوئی فیملی کے توسط سے سماج میں پھیلی گھٹن، افسردگی، افلاس، اقتصادی ناہمواری، استحصال، غربت اور سماجی جبر کو اپنے ناول میں پیش کر کے اس دور میں احساس کی سطح پر خاصا ارتعاش پیدا کیا۔ (۶)

شوکت صدیقی کے ناول کی اس عہد میں لکھے جانے والے ناولوں کے برعکس اہم خصوصیت یہ ہے کہ نہ تو وہ ہند مسلم تہذیبی فضا کو یاد کرتے ہیں اور نہ ہی ماضی کی کسی گم شدہ دنیا کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ بلکہ وہ حال کے نقطے پر کھڑے ہو کر اپنے گرد و پیش پر نگاہ دوڑاتے ہیں اور جو منظر انھیں نظر آتا ہے اسے مصور کر دیتے ہیں۔ ان کے ناول میں گرد و پیش کی زندگی ہے۔ ان کے کردار قاری کے روزمرہ مشاہدے کے کردار ہیں گویا سماجی سطح پر یہ ناول آزادی کے بعد کے پاکستان کے پہلے عشرے کی مؤثر عکاسی کرتا ہے۔ جرائم کی دنیا میں داخل ہوتے ہوئے یہ کردار دراصل اس سماجی ناانصافی کی پیداوار ہیں جس کے نہ ہونے کا خواب آزادی کی جدوجہد میں دیکھا گیا تھا لیکن تقسیم اور آزادی کے بعد کے منظر نامے کی عصریت پر دھونس، دھاندلی، لوٹ کھسوٹ کے نظام نے غلبہ پالیا ہے:

معاشرے کی بدلتی ہوئی اقدار نے زبردستی اور خود غرضی کے جو راستے کھول دیے ہیں یہ کردار کہیں تو اس کے دھارے میں بہتے اور کہیں اس کے خلاف ناکام جدوجہد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تہذیبی اور ثقافتی قدروں کا بحران جس جھوٹ، منافقت اور زر پرستی کو سطح پر لے آیا ہے اس ناول میں اس سماجی زندگی کی عکاسی بڑے بھرپور انداز میں ملتی ہے۔ (۷)

ناول کے کردار بالعموم غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارنے والے افراد ہیں اور ان کا استحصال کرنے والے سماج کے مہذب طبقات سے منسلک ہیں۔ طبقاتی استحصال کی ترقی پسندانہ فکر کی ناول میں جابجا تصویریں موجود ہیں۔ دم توڑتا ہوا فلاحی اسلامی ریاست کا تصور اس ناول کے بین السطور ابھرتا ہے۔ گھروں سے غربت کے مارے بچے فرار ہو جاتے ہیں اور ان کی باقی زندگی جرائم کی دلدل میں دھنستی چلی جاتی ہے۔ راجا اور نوشا اور ان کا خاندان ایسے کردار ہیں جن کی ذمہ داری ریاست نے لینی تھی یا ریاست کو ایسا ماحول مہیا کرنا چاہیے تھا کہ یہ کردار اس دلدل میں نہ اترتے اور اگر کوئی فلاحی تنظیم از خود یہ کام کرنا چاہتی ہے کہ سماج میں مثبت سرگرمی کو فروغ دے تو بالادست طبقات ان کی راہ میں مزاحم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جب ''فلک پیما'' نامی تنظیم لوگوں کی فلاح کی خاطر ہسپتال بنوانا چاہتی ہے تو خان بہادر فرزند علی سازش کے ذریعے ان کے منصوبے کو ناکام بنادیتا ہے:

> دوسرے روز محمد علیم دو اسکائی لارکوں کے ساتھ سویرے ہی سویرے پلاٹ کا سروے کرنے گیا مگر یہ دیکھ بھونچکا رہ گیا کہ پلاٹ کے گرد قد آدم چار دیواری موجود تھی۔ ایک حصے پر ٹین کا سائبان تھا۔مشرقی دیوار میں ایک دروازہ تھا جس پر ایک بورڈ آویزاں تھا۔ بورڈ پر بڑے بڑے حروف میں لکھا تھا"نورانی مسجد"۔۔۔ وہ دم بخود رہ گیا۔ دونوں اسکائی لارک بھی چکرا گئے۔ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ یہ مسجد کس نے بنوائی؟ کیوں بنوائی؟۔۔۔ لوگ اپنے اپنے کام دھندے پر جانے کی تیاری کر رہے تھے ان تینوں کو چار دیواری کے قریب حیرت کے عالم میں کھڑے دیکھ کر کچھ لوگ ادھر بھی آ گئے۔مسجد دیکھ کر وہ بھی اچنبھے میں پڑ گئے۔ (۸)

مذہب کے نام پر عوام کا استحصال اس سماج میں پہلے روز سے ہو رہا ہے۔ خان بہادر، شاہ جی اور عبداللہ مستری جیسے کردار ظالم اور بے رحم لوگ ہیں ان کے لیے اقدار ہوں یا اخلاقیات یا مذہب محض دھن کمانے کا ایک ذریعہ ہیں۔ اسی طرح سماج میں بھی بطور مجموعی خیر وشر کے امتیاز کا وصف موجود نہیں رہ گیا۔لوگوں کو اپنے حقوق کی شناخت نہیں ہے اور نہ ہی وہ اپنے حقوق کے حصول کے لیے جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی لیے تو خان بہادر جیسے لوگ خود کو ان کا مخلص نمائندہ قرار دے کر ہمیشہ انتخابات جیت جاتے ہیں اور استحصال کے نئے راستے تلاش کرتے رہتے ہیں۔شوکت صدیقی کا معاصر صورت حال کا بیان اس قدر حقیقی ہے کہ سماج کی بطور مجموعی ایک ایسی صورت نظر آتی ہے جو آج بھی برقرار ہے۔ ناول کا تخلیقی منطقہ شہری زندگی کا بیان ہے۔ اس سے مصنف یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شہر میں بسنے والے افراد زیادہ باشعور ہوتے ہیں لیکن شہری زندگی کے مسائل بھی دیہات سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ مغائرت کی مخصوص فضا شہر میں زیادہ ہوتی ہے۔ معاشی بدحالی افراد معاشرہ کو جرائم پر اکساتی ہے گویا زندگی کی انتہائی کم تر سطح اور سماج انھیں مجرم بنا دیتا ہے۔ ڈاکٹر حنیف فوق خدا کی بستی میں مصنف کی حقیقت نگاری کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

> شوکت صدیقی نے خدا کی بستی میں حقیقت نگاری کے خارجی طرز سے کام لیا ہے۔ شوکت صدیقی نے بڑی بے جگری سے سماج کے اسفل ترین طبقے کی تصویریں کھینچی ہیں۔ وہ جرائم پیشہ، مفلوک الحال، اور کچھ نہ رکھنے والوں کی دنیا کو بڑی خارجیت سے پیش کرتے ہیں اور تجارتی دور میں جذبے کے استحصال اور فاسد خواہشات کے مفسدانہ اعمال کی داستان سناتے ہیں۔ خدا کی بستی میں طبقاتی کشمکش کے پہلو بہ پہلو تصور حقیقت سے برسر پیکار اور عزت بے عزتی سے برسر تصادم ہے۔ (۹)

پاکستانی سماج نے ابھی اپنی صورت گری کرنی تھی کہ مفاد پرستوں کے ہاتھوں اس کی بنیادی اقدار پر سوالیہ نشان

لگ گیا۔شوکت صدیقی کا سماجی شعور، سماج کی گہرائی تک جھانکنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انھوں نے سماج کو لاحق تمام خرابیوں کا تذکرہ بخوبی کیا ہے۔سماج اپنی ترقی کا زینہ مادی وسائل کو سمجھتا ہے اور ان مادی وسائل کے حصول کے لیے بدعنوانی، خود غرضی، مفاد پرستی، حتیٰ کہ اپنے مفاد کے حصول کے لیےعورتوں کے جنسی استحصال کو بھی اپنا وطیرہ بنائے ہوئے ہے۔ خدا کی بستی بظاہر لگتا ہے کہ جرم اور تشدد کی کہانی ہے کیونکہ اس ناول میں جرائم کی ایک دنیا آباد ہے۔تقریباً ہر طرح کے جرم کو مصنف نے موضوع بنایا ہے اور استحصالی نظام کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ ناول اس موضوع پر روشنی ڈالتا ہے کہ جرم ازخود پیدا نہیں ہوتا بلکہ سماج اور اس کا ماحول اس کی پرداخت میں حصہ لیتے ہیں۔محمد علی منظر ناول کے بارے میں مجموعی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> قیام پاکستان کے بعد پاکستانی معاشرے نے جو رنگ اختیار کیا اور حصول زر کی جو دوڑ شروع ہوئی اور جس کے نتیجے میں معاشرے میں افراتفری اور انتشار پیدا ہوا، جرائم اور تشدد کو فروغ ملا، "خدا کی بستی" ایسے ہی زوال آمادہ اور منتشر معاشرے کی کہانی ہے۔(۱۰)

یہ بستی خدا کی تھی مگر اس کی فضا مخلوق خدا پر تنگ ہے اور خدا کے نام پر بسائی گئی بستی میں طاقت ور طبقوں کی حکمرانی ہے۔سماج میں نیکی وخیر خواہی کا جذبہ مفقود ہو چکا ہے۔ عام افراد اب سماجی برائیوں پر گرفت نہیں کرتے اس لیے سماج کے جرائم پیشہ افراد کھل کھیلتے ہیں۔ باقاعدہ ایسے گروہ تشکیل پا رہے ہیں جو منصوبہ بندی سے لوگوں کے گھروں کو لوٹتے ہیں۔اسی طرح عورتوں کا جنسی استحصال کرنے والے بھی ہیں۔شوکت صدیقی کا سماجی مطالعہ باریک بین ہے۔ اسی لیے وہ سماجی مسائل اور الجھنوں کو دیانتداری سے پیش کرتے ہیں، خان بہادر ہر طرح کا سیاسی رسوخ حاصل کرنا چاہتا ہے جبکہ شاہ جی بچوں کو اغوا کر کے انھیں سماج دشمن بنا دیتے ہیں اور پھر ان کے ذریعے گھروں میں ڈاکے ڈلوانا ان کا معمول ہے۔ یہ ایسے افراد ہیں جن کے سامنے قانون بھی بے بس ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ تقدیر بھی ان کا ساتھ دیتی ہے جیسے خان بہادر کو اپنی لوٹ مار کا عدالت میں پول کھلنے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے تو وہ نیاز کو قتل کرانے کی منصوبہ بندی کرتا ہے جبکہ نیاز کو نوشا قتل کر کے اپنی ماں کی بے عزتی کا بدلہ چکاتا ہے اور خان بہادر سماج کا باعزت شہری بنا رہتا ہے۔شوکت صدیقی کا سماجی وسیاسی شعور ملکی عصریت سے ہم آہنگ ہے۔ انھیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ آئندہ ملکی سیاست کیا رخ اختیار کرنے والی ہے اور دولت کے استعمال سے اقتدار کو کیسے گھر کی لونڈی بنایا جائے گا۔ پاکستانی سیاست کی آئندہ سمت کا ادراک شوکت صدیقی نے بہت بروقت کر لیا تھا:

> خان بہادر اپنی انتخابی مہم پر پانی کی طرح روپیا بہا رہا تھا اس کے کارکن جھلکتی ہوئی کاروں پر آتے اور ووٹروں کو خریدنے کے لیے نت نئے ریٹ مقرر کرتے۔ جوں

> جوں انتخابات کی تاریخیں قریب آتی جا رہی تھیں ووٹوں کا ریٹ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ہر بستی میں ٹھیکیدار مقرر کر دیے تھے جن کے ایجنٹ ووٹوں کا سودا کرنے میں مصروف تھے۔ (۱۱)

دراصل ناول نگار پاکستان کی سماجی و سیاسی عصری صورت گری ہی نہیں کر رہا بلکہ وہ آئندہ کے امکانات بھی ہویدا کر رہا ہے۔ یعنی ایسے لوگ براجمان ہو چکے ہیں جو ریاستی افراد یا عوام کے مفاد سے پیشتر اپنے ذاتی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں۔ جبکہ عوام کا سیاسی شعور عہد موجود میں بھی وہی ہے جو قیامِ پاکستان کے پہلے عشرے میں تھا:

> خان بہادر نے فی ووٹ دس روپے تک کا ریٹ مقرر کر دیا تھا۔ اس کے تین انتخابی دفتر قائم تھے جن میں آئے دن ضیافت ہوتی۔ دیگیں چڑھتی۔ بڑی فیاضی سے مرغن کھانے کھلائے جاتے۔ جو لوگ بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے والے تھے اور سیدھے سادھے لوگوں کو چکمہ دینے کا گر جانتے تھے، خان بہادر نے چھانٹ چھانٹ کر اپنے کارکنوں کی حیثیت سے بھرتی کر لیا تھا۔ ان کی یومیہ اجرت مقرر تھی اور ۵ روپے سے ۵۱ روپے تک کا ریٹ تھا۔ اس کے علاوہ ووٹروں کو دکانوں کے الاٹمنٹ اور ملازمتیں دلوانے کا لالچ بھی دیا جاتا تھا۔ (۱۲)

شوکت صدیقی کی حقیقت نگاری اور ان کے عصری شعور کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر قمر رئیس لکھتے ہیں:

> شوکت صدیقی کا ناول خدا کی بستی پہلا ناول ہے جس میں پریم چند کی طرح عصری زندگی کے پیچیدہ حقائق اور سماجی آویزش کو سمجھنے اور پیش کرنے کی سنجیدہ کوشش کی گئی ہے۔ پاکستان کے سرپرستانہ طبقاتی معاشرے میں مذہب کے نام پر جن بہیمانہ جرائم کی سرپرستی ہوتی ہے اور جمہوریت کے نام پر انسان کی آواز اور اس کے حقوق کو جس طرح پامال کرنے کی سازشیں ہوتی ہیں۔ شوکت صدیقی نے بڑی جسارت اور وضاحت سے ناول کے پیچیدہ پلاٹ میں انھیں سمونے کی کوشش کی ہے۔ (۱۳)

پاکستانی سماج ایسا سماج بن چکا ہے جس میں رہنے والوں کا واحد مقصد دولت کمانا ہے۔ کرداروں کی اس دنیا میں ''فلک پیما'' نامی تنظیم کے ممبران بھی ہیں جنہیں مصنف نے ''سکائی لارک'' کہا ہے۔ یہ خالصتاً ترقی پسند تنظیم ہے۔ لیکن ان کی کارروائیوں کا بیشتر حصہ ان کے خود ساختہ طویل اجلاسوں سے پتا چلتا ہے۔ شوکت صدیقی دراصل اشتراکی فکر سے متاثر ہیں اور ناول میں یہ تنظیم ان کے آدرش کا اظہار ہے۔ تنظیم کے ممبران خیر کے نمائندے ہیں جس وجہ سے یہ محض مثالی کردار بن کر رہ گئے ہیں۔ سلمان کے کردار میں کچھ چمک تھی لیکن محبت کے حصول میں نظریے کی ترجیح سے وہ بھی ماند پڑ

گئی۔ وہ سماج کی اصلاح کے خواہشمند ہیں۔ یہ تمام سکائی لارک زمینی مخلوق محسوس نہیں ہوتے۔ جہاں عمل کی قوت آزمانے کا موقع ہوتا ہے وہیں کوئی نہ کوئی سکائی لارک دیگر دوستوں کو سمجھا بجھا کر معاملہ عقل کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس تنظیم کے افراد عقلیت پسندی کا شدید شکار ہیں مصنف کا بھی منشا یہی تھا۔ سکائی لارک سماج میں تبدیلی کے شدید خواہشمند ہیں اور وہ خود اس تبدیلی کو لانے کا عملی حصہ بنتے ہیں لیکن ان کے کردار کی مثالیت اور مصنف کے نظریے کی تبلیغ اس سارے حصے کو تبلیغ و اصلاحی بنا دیتی ہے:

> اسکائی لارکوں کی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جا رہی تھیں۔
> شہر کی پس ماندہ بستیوں میں تعلیم بالغاں کے پانچ مراکز قائم تھے۔ دو دار المطالعے تھے۔ ڈسپنسری صرف ایک تھی۔ مگر صبح سے شام تک اس پر مریضوں کی بھیڑ لگی رہتی۔ کئی کئی میل سے مریض آتے۔ ڈاکٹر زیدی کو سر اٹھانے کی مہلت نہ ملتی۔۔۔۔
> ان اداروں کے علاوہ فلک پیانے نے دستکاری اور گھریلو صنعت کو فروغ دینے کے لیے ایک انڈسٹریل ہوم بھی کھولا تھا۔ اس کے دو حصے تھے۔ ایک میں مرد دستکار اور کاریگر کام کرتے تھے اور دوسرا خواتین کے لیے تھا، اس میں بیوہ اور لاوارث عورتوں کو تربیت بھی دی جاتی اور ان سے گھریلو مصنوعات بھی تیار کروائی جاتیں۔ انڈسٹریل ہوم کا بنا ہوا مال بازار میں فروخت کیا جاتا۔ فلک پیا کا پروگرام تھا کہ شہر کے کسی بازار میں انڈسٹریل ہوم کی جانب سے ایک شوروم کھول دیا جائے جہاں مصنوعات کی نمائش ہو سکے اور ان کو فروخت بھی کیا جائے۔ (۱۴)

سکائی لارک ہمدردی اور خلوص کے جذبات سے بھرے ہوئے ہیں تاہم ان کے اس جذبے کو تخلیقی اظہار دیتے ہوئے مصنف کا رویہ مصنوعی لگتا ہے۔ کیونکہ ناول میں اکثر مقامات پر وقت کا خیال نہیں رکھا گیا۔ یہاں بھی یہ صورت ہے کہ سکائی لارک درج بالا اقتباس کے مطابق اتنے منصوبے اتنے کم وقت میں کیسے آغاز کر لیتے ہیں؟ البتہ شوکت صدیقی کا تخلیقی شعور قابل داد ہے کہ انھوں نے پاکستان کی سماجی ابتری، معاشرتی انتشار اور اور معاشی بدحالی کو اس وقت موضوع بنایا جب دیگر فن کار فسادات اور اس سے وابستہ المیے کو تخلیقی عمل میں ڈھال رہے تھے۔ شوکت صدیقی اس حوالے سے اپنے ہم عصروں سے ایک قدم آگے ہیں کہ انھوں نے پاکستانی قومیت کا ادراک کر لیا اور ماضی کے المیوں یا تہذیبی الجھنوں کو ایک طرف کر کے خالص انسانی مسائل کو موضوع بنایا۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد کے حالات کی عکاسی کر کے ناول نگار نے پاکستان کی عصری تاریخ کو محفوظ کیا اور اس تاریخی عمل کو آئندہ ادوار پر پھیلتے بھی محسوس کیا۔ یہ عمل ان کے تاریخی شعور کا آئینہ دار ہے۔ ترقی پسند تحریک کا یہ نظریہ کہ خیر و شر دونوں طاقتیں ہمیشہ متحارب رہی ہیں۔ اس ناول میں بھی

کارفرما ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اپنی تمام تر مثالیت پسندی کے باوجود مصنف ان متحارب قوتوں کو سماج میں عمل کرتے ہوئے دکھاتا ہے اور ان کی فتح و شکست پر زیادہ توجہ مرکوز نہیں رکھتا۔ گویا مصنف کا سماجی و تہذیبی شعور اس امر سے آگاہ ہے کہ یہ دونوں متحارب قوتیں ہمیشہ سماج میں سرگرم رہتی ہے اور یہ سماج اور اس کے ماحول پر منحصر ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے ان میں سے کسی قوت کا ساتھ دے۔ خیر کی نمائندہ فلک پیما نامی فلاحی تنظیم ہے جو خالصتاً اشتراکی جوش و جذبہ رکھتی ہے۔ البتہ اسے زیادہ مناسب طور پر اصلاح معاشرہ کی تحریک کہا جا سکتا ہے۔مصنف کی منشا بھی ناول میں یہی اصلاح کا جذبہ ہے لیکن ڈاکٹر ممتاز احمد خان اسے تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ وہ ڈاکٹر عبدالسلام کے اس بیان کہ''شوکت صدیقی حقیقت نگاری کے ساتھ اپنے ماحول کی تشکیل نہیں کر سکے ہیں وہ تبلیغی جذبے کا شکار ہو گئے ہیں'' کے جواب میں لکھتے ہیں:

> جہاں تک اس الزام کا تعلق ہے کہ وہ حقیقت نگاری کے ساتھ اپنے ماحول کی تشکیل نہیں کر سکے ہیں تو اس پہلو کو تو سب نے تسلیم کیا ہے کہ ترقی پسندوں میں ناول کے حوالے سے شوکت صدیقی نے حقیقت نگاری کے فن میں بڑا نام کمایا ہے۔۔۔شوکت صدیقی نے جن کا مشاہدہ اور تجربہ بڑا مستحکم اور گہرا رہا ہے پختہ حقیقت نگار ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ ایسا ناول نگار جو پلاٹ کی بنیاد پر ناول تصنیف کر رہا ہو اور جس نے جزئیات نگاری میں کمال دکھایا ہو اس پر یہ الزام جچتا نہیں پھر یہ کہنا کہ وہ تبلیغی جذبہ کا شکار ہو گئے ہیں اسکائی لارک تنظیم کی غرض و غایت کے عدم ادراک کا شاخسانہ ہے۔شوکت صدیقی کے یہاں یہ تنظیم ایسے افراد کے کرداروں کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوئی ہے جو شر کے مقابلے پر خیر کے طرف دار ہیں۔ (۱۵)

ناول میں فکر واقعات اور کرداروں میں پیوست ہو کر آنی چاہیے۔ ناول نگار کی کامیابی اس میں ہوتی ہے کہ وہ اپنی فکر کو ماجرے اور کرداروں کی کشمکش سے تشکیل دے۔ اس ناول میں فلک پیما نامی فلاحی تنظیم ماجرے کے دیگر حصوں کے ساتھ لگا نہیں کھا رہی۔ یہ ضرور ہے کہ ناول نگار کے پیشِ نظر کوئی مقصد اور خیال رہتا اس لیے شوکت صدیقی نے جہاں جرائم کی دنیا آباد کی وہیں وہ سماج میں موجود خیر کا پہلو بھی دکھانا چاہتے ہیں البتہ ان کے ساتھ بھی معاملہ وہی ہوا ہے جو اردو ناول کی روایت کا تقریباً لازمہ بن چکا ہے کہ فن کار اپنی فکری اظہار کو قصے میں آمیخت کر کے نہیں لاتے۔شوکت صدیقی کے عصری شعور پر یہ واضح ہے کہ خیر کی قوتوں کو سماجی عمل میں ہزیمت کے باوجود حصہ لینا چاہیے گو کہ نیا پیدا ہونے والا سرمایہ دار طبقہ سماج کے تمام طبقات کے استحصال پر ہی زندہ رہ سکتا ہے۔شوکت صدیقی نے عصری سماجی نظام، سیاسی افراتفری، معاشی تلخ صورتحال وغیرہ کی حقیقی تصویریں پیش کی ہیں۔ فنی اعتبار سے وہ سماجی حقیقت نگار ہیں۔ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی کا کہنا ہے:

> سماجی حقیقت نگاری پر شوکت صدیقی نے زیادہ توجہ دی ہے اور اس کے لیے انھوں نے ان تمام جزئیات کو پیشِ نظر رکھا ہے جن سے زندگی اور معاشرے کو وسعتیں منظر عام پر آ گئی ہیں۔موجودہ سماجی نظام جو ہر لحاظ سے زوال پذیر ہے اور مختلف طبقات میں گزاری جانیوالی زندگی کی حقیقت آمیز اور بصیرت افروز تصویریں "خدا کی بستی" میں پیش کی گئی ہیں۔ ایک طرف ناول میں چوروں، جیب کتروں کا گروہ ہے اور دوسری طرف شرابی، زانی اور لیٹروں کا گروہ بھی ہے۔ لیکن ایک تیسرا گروہ بھی ہے جو فلک پیما تنظیم سے وابستہ ہے اور غریبوں، مسکینوں اور پچھڑے ہوئے لوگوں کی مدد اور ان کے روشن مستقبل کا خواہاں ہے۔ ان تمام سماجی گروہوں میں باہمی کشمکش چلتی رہتی ہے اور خود غرض، مطلب پرست اور سرمایہ دار طبقہ مفلوک الحال طبقے کو روندتا ہوا آگے بڑھتا دکھایا گیا ہے۔(۱۶)

خدا کی بستی ایک سطح پر پاکستانی سماجی عصریت پر طنز ہے۔یعنی وہ فلاحی تصورات جو ریاست کی تشکیل میں کارفرما تھے سماج کے کار پردازوں نے پس پشت ڈال دیے اور ان کی جگہ ہوس، حرص، خود غرضی، عدم رواداری، استحصال اور دیگر جرائم نے جنم لے لیا ہے۔تہذیبی اور سماجی قدروں کے بحران کا شکار سماج محض زر پرستی کو اپنا مقصد حیات تصور کرنے لگا ہے۔شوکت صدیقی کے کردار عام اور معمول کی زندگی کے کردار ہیں جو ہمارے ارد گرد سماج میں موجود ہیں ان کرداروں کو سماجی ماحول یا زیادہ درست الفاظ میں سماجی عصریت نے جرائم کی دنیا میں دھکیل دیا ہے۔ اس تہذیبی بحران نے ان کرداروں کے سامنے ایک بڑا سوال اپنی بقا کا پیدا کر دیا ہے، سو وجودی کرب کا شکار یہ کردار خود غرضی اور زر پرستی کی ڈگر پر چل نکلے ہیں۔ اب اگر وہ اس کے خلاف مزاحم بھی ہوتے ہیں تو وقت کے بے رحم تھپیڑے ان کی مزاحمت کا دم خم توڑ دیتے ہیں۔ بطور اشتراکی مصنف کے شوکت صدیقی حیات انسانی کی کشمکش کو جدید صنعتی تمدن میں دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔صنعتی تمدن ان کرداروں کی زندگی میں جو گھٹن پیدا کر دیتا ہے، ناول کا قاری خود میں اس گھٹن کو محسوس کرتا ہے۔ ناول کے کرداروں کا مسئلہ ماضی کی تہذیبی بازیافت نہیں حالانکہ ان کا ماضی تلخ ہے، وہ ہجرت کر کے آئے ہیں اور ہجرت کا کرب ان کی سانسوں میں موجود ہے:

> راجا نے ٹھنڈی سانس بھر کر نوشا کو دیکھا۔ دکھ بھرے لہجے میں گویا ہوا "یار! وہ تو فسادات میں مارے گئے۔ دو بڑے بھائی تھے وہ بھی قتل کر دیے گئے۔ ہم دونوں کو تو دلی سے وہ سالا بشیرالایا تھا۔ ایک نمبر حرامی تھا۔ مجھے بہت مارا کرتا تھا۔(۱۷)

سماج کی غلیظ ترین سطح پر زندگی بسر کرنے والے یہ کردار سماج کے مفید اور کارآمد رکن کیونکر بن سکتے تھے؟ یہ

کردار محض ناول نگار کے تخیل کے پیداوار نہیں بلکہ وہ ان سے ملا ہے، اس نے ان کی حرکات وسکنات کا بغور مشاہدہ کیا ہے، اس لیے ہر کردار اپنے طبقے کی نمائندگی کرتا نظر آتا ہے:

> کرداروں کے اعتبار سے خدا کی بستی ایک کہانی نہیں بلکہ مختلف طبقات کی کہانی ہے۔ نوشا، شامی، راجا اور انو معاشرے کے اس طبقے کے نمائندے ہیں جن کا سب سے بڑا مسئلہ غربت ہے۔ اسی غربت کی بنا پر یہ جرائم کی دنیا میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کو جرائم پیشہ بنانے میں ان کا ماحول اہم کردار ادا کرتا ہے۔ نوشا اسی طبقے کا ایک کردار ہے۔ اس کردار کے ذریعے شوکت صدیقی یہ پیغام دیتے دکھائی دیتے ہیں کہ ماحول انسانی شخصیت کی تعمیر وتخریب میں اہم کردار ادا کرتا ہے بہتر ماحول بہتر انسان جنم دیتا ہے اور براماحول برے افسانوں کو۔[۱۸]

نئے پاکستان کا انتظامی نظم ونسق جن ہاتھوں میں ہے، مصنف درون ماجرا ان کی کیفیت بھی بیان کر دیتے ہیں۔ پاکستان کی تمام انتظامی مشینری عہد نوآبادیات کی تربیت یافتہ ہے اور وہ اپنے طور طریقے بدل لینے پر آمادہ بھی نہیں بلکہ ان کے لیے عوام آج بھی غلام ہیں اور صورتحال عہد موجود تک یکساں نوعیت سے پھیلی ہوئی ہے:

> سلمان بالکل اس انداز سے بول رہا تھا گویا سکائی لارکوں کے اجلاس میں تقریر کر رہا ہو۔ وہ بالکل بھول گیا کہ شہر کے ایک اعلیٰ حاکم کے روبرو بات کر رہا ہے۔ جو سی ایس پی آفیسر تھا اور اپنے ان پیش رو آئی سی ایس کی روایات برقرار رکھنا چاہتا تھا جو نہتے مظاہرین پر گولیاں چلا کر اپنے انگریز آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرتے تھے۔ ان کے ہاتھ مضبوط کرتے تھے اور کلب میں وہسکی کا جام چڑھا کر حقارت سے کہتے تھے۔
> ''آج پانچ حرام زادے مارے گئے۔''[۱۹]

گویا جرم کے ڈانڈے محض استحصال اور افلاس سے ہی نہیں ملتے بلکہ نوآبادیاتی تمدن ابھی اپنے جابرانہ اور استحصال کرنے والے ہتھکنڈوں کے ساتھ موجود ہے۔ جن اداروں سے سماج کو انصاف کے حصول کی توقعات ہیں وہی ابھی تک استحصالی نظام کو برقرار رکھنے میں کوشاں ہیں۔ یوں قیام پاکستان سے لے کر آج تک عام آدمی کی تقدیر میں کچھ بھی بدلاؤ نہیں آیا۔ سماجی ناانصافی کے اثرات سماج کے لیے انتہائی مہلک ہوتے ہیں۔ تیسری دنیا اور بالخصوص پاکستان کی عصری صورتحال اس امر کی غماز ہے کہ سماجی ناانصافی نے استحصال کو وسعت دی ہے۔ جبر کو پھیلایا ہے اور استحصال اور جبر کی اس فضا نے سماج کو اندرونی و بیرونی طور سے شدید شکست وریخت کا شکار کر دیا ہے۔ استحصال کی بنیادی صورت گری اقتصادی مسائل ہوتی ہے اور اقتصادی مسائل نئے صنعتی تمدن اور حکومتوں کے غیر دانشمندانہ فیصلوں سے پیدا ہو

رہے ہیں۔لیکن اس امر کا شعور ناول کے صرف اسکائی لارک گروہ کو ہے:

> دیکھئے بات یہ ہے میں تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں مگر جاری نہیں رکھ سکتا۔ ملازمت چاہتا ہوں وہ ملتی نہیں، ایک ذمہ دار اور کارآمد شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کرناچاہتا ہوں اس کے امکانات نہیں۔ سیدھا سادا اقتصادی مسئلہ ہے اور کوئی اقتصادی مسئلہ معاشرے سے ہٹ کر اپناوجود نہیں رکھتا۔[۲۰]

چاہے اسے ترقی پسند یا مارکسی فکر کہا جائے لیکن یہ جائزہ خالصتاً حقیقت پسندانہ ہے، گو کہ سلمان کا کردار خاصہ مجہول ہے البتہ اس کا شعور واضح ہے وہ عصری میلانات سے آگاہ ہے۔ ڈاکٹر خالد اشرف ناول کا محاکمہ کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں:

> خدا کی بستی پاکستانی شہری سوسائٹی کی حقیقی تصویر ہے جو جائز و ناجائز طریقوں سے دولت حاصل کر کے راتوں رات خوشحال اور معزز بن جانا چاہتی ہے۔ اس نئی سوسائٹی کے سبھی افراد اپنی جڑوں اور سماجی پس منظر سے اکھڑے ہوئے لوگ تھے۔ جو قدیم ہندوستانی معاشرے میں اپنی شناخت کو ہجرت کے ساتھ ہی ترک کر چکے تھے۔ نو تشکیل شدہ پاکستانی سماج میں طبقاتی درجہ بندی ابھی نہیں ہوئی تھی اور صرف دولت کے سہارے ہی اعلیٰ درجات حاصل کیے جاسکتے تھے۔ اس نئی سوسائٹی کے نمائندے نیاز کباڑی، خان بہادر فرزند علی اور ڈاکٹر موٹو ہیں۔[۲۱]

خدا کی بستی نچلے طبقات اور بے گھر لوگوں کے عام جرائم سے لے کر اعلیٰ سرکاری دفاتر اور اعلیٰ طبقات میں ہونے والے جرائم اور ان کے درمیان سسکتی زندگی کا عکاس ہے۔سماجی اقدار ہوں یا مذہبی اقدار زر پرست طبقات انھیں مفادات اور مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ان افراد کا مقصدحیات دولت کا حصول ہے اور اس عمل میں انسانی قدریں ٹوٹتی نظر آتی ہیں۔شوکت صدیقی نے گو کہ اپنی عصری صورتحال بیان کی ہے لیکن ناول پاکستان کے آج کے منظر نامے تک احاطہ کیے ہوئے ہے۔ پاکستانی سماج یکجہتی کے تصور سے ناآشنا ہوچکا ہے۔ مذہب محض استحصالی گروہوں کا آلہ کار بنادیا گیا ہے۔غربت، افلاس، منافقت اور بددیانتی پر مبنی جس سماج کی تصویر کشی شوکت صدیقی نے تب کی تھی وہ اب مزید تباہی کا شکار ہے۔ بدامنی، لوٹ مار، قتل و غارت، تشدد، جبر، آزاد رائے پر پابندی، خوف اور استحصال دیگر کئی صورتیں آج سماج میں موجود ہیں۔ خدا کی بستی میں مجرم کردار نظر آتے ہیں یا مصنف کامیابی سے ان کا نظارہ کرادیتا ہے لیکن اب یہ صورتحال گھمبیر ہوچکی ہے کہ جرم تو ہوتا ہے مگر مجرم ہاتھ پوشیدہ رہتا ہے۔جس فکری پراگندگی اور انتشار کا مصنف کے سماجی وسیاسی شعور نے ادراک کر لیا تھا آج وہ پاکستانی سماج کو چاٹ رہا ہے۔ البتہ فلک پیما جیسی تنظیموں کا

بنیادی فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ سماج کو آئینہ دکھائیں مگر جدید سرمایہ دارانہ نظام انھیں بھی اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا چکا ہے:

> خدا کی بستی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے غربت و افلاس اور جرم و استحصال کے حوالے سے پڑھنے والوں کے ذہن میں ماضی میں جو سوالات اٹھائے تھے وہ آج کے دور میں لاینحل معمے بن چکے ہیں۔ اسی لیے شاید جدید ناول نگار نے ان معموں کی گرہ کھولنے کے بجائے اتھاہ مایوسی، قنوطیت، لایعنیت میں پناہ لینے میں عافیت سمجھی ہے مگر شوکت صدیقی۔۔۔ اول تا آخر ایک ترقی پسند فن کار ہیں جو حالات سے مایوس نہیں ہوتا بلکہ جدوجہد کو زمانہ بدلنے کا مؤثر ہتھیار مانتا ہے۔[۲۲]

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو قیام پاکستان کے بعد پاکستانی ادب اور اسلامی ادب کے جو مباحث ادبی روایت کا حصہ بنے ان کے اثرات تخلیقی ادب پر بھی ظاہر ہوئے۔خصوصاً اردو ناول قیام پاکستان کے بعد کے پاکستان کی دستاویزی تاریخ کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ یہ ایسی تاریخ ہے جو سماج کے حساس فن کاروں نے لکھی ہے۔ صداقت کا بیان اس کا بنیادی و اساسی پہلو ہے اسی لیے اس آئینے میں اشرافیہ کو اپنا چہرہ بھیانک نظر آتا ہے تو عوام کے آزادی اظہار کے حق پر ہی پابندی لگا دیتے ہیں اور کبھی ادیب و شاعر کا مرتبہ سماج میں اتنا کمتر کر دیتے ہیں کہ اس کی آواز کو اہمیت ہی حاصل نہ رہے۔ لیکن اردو ناول نے عوامی حقوق کی آواز کو بہت مؤثر انداز میں بلند کیا ہے۔ ناول نے ہی ان عوامل کا احاطہ کیا ہے جو پاکستانی قومیت کی تشکیل میں مزاحم ہیں اور ان اسباب کو بھی بیان کیا ہے جو ایک قومیت کی تشکیل میں معاون ہو سکتے ہیں۔شوکت صدیقی کا ناول "خدا کی بستی" نا صرف پاکستانیت کے اہم فکری زاویوں کو سامنے لاتا ہے بلکہ اس کے ذریعے انھوں نے استحصال کی چکی میں پستے ہوئے عوام کا نوحہ بھی رقم کیا ہے۔یوں یہ ناول اپنے وقت اور عہد کا ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستانیت کا بھی واضح اظہاریہ ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر رشید امجد، پاکستانی ادب کے نمایاں رجحانات، مشمولہ پاکستان میں اردو ادب کے پچاس سال، (راولپنڈی: گندھارا بکس، ۲۰۰۵ء)، ص ۲۵

۲۔ سبطِ حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقا، (کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۸۳ء)، ص ۳۹۰، چوتھی بار

۳۔ آئن ٹالبوٹ، تاریخِ پاکستان، مترجم طاہر منصور فاروقی، (لاہور: تخلیقات، ۲۰۱۱ء)، ص ۲۶

۴۔ ڈاکٹر رشید امجد، پاکستانی ادب کے نمایاں رجحانات، مشمولہ پاکستان میں اردو ادب کے پچاس سال، ص ۲۶

۵۔ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی، تقسیم کے بعد اردو ناول میں تہذیبی بحران، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۲۰۰۲ء)، ص ۲۲۰، طبع اوّل

۶۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان، اردو ناول کے بدلتے تناظر، (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۰۷ء)، ص ۹۳، طبع ثانی

۷۔ ڈاکٹر فاروق عثمان، اردو ناول میں مسلم ثقافت، (ملتان: بیکن بکس ۲۰۰۲ء)، ص ۳۱۰، طبع اوّل

۸۔ شوکت صدیقی، خدا کی بستی، (کراچی: رکتاب پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص ۲۰۲

۹۔ ڈاکٹر حنیف فوق، پاکستانی ادب کے چند گوشے، مشمولہ پاکستانی ادب (جلد اول)، مرتبین، رشید امجد، ڈاکٹر، فاروق علی، (راولپنڈی: ایف. جی سرسید کالج، مئی ۱۹۸۱ء)، ص ۶۲۲

۱۰۔ محمد علی منظر، خدا کی بستی: ایک تفصیلی مطالعہ، مشمولہ سیپ، خاص نمبر، شمارہ نمبر ۶۶، سیپ پبلی کیشنز، کراچی، جنوری، فروری ۱۹۹۸ء، ص ۲۴۳

۱۱۔ شوکت صدیقی، خدا کی بستی، ص ۲۶۵

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۲۶

۱۳۔ ڈاکٹر قمر رئیس، جدید اردو ناول، مشمولہ جدیدیت اور ادب، مرتبہ: آل احمد سرور، (علی گڑھ: شعبہ اردو مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۶۹ء)، ص ۲۰۳

۱۴۔ شوکت صدیقی، خدا کی بستی، ص ۲۵۳

۱۵۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان، اردو ناول کے بدلتے تناظر، ص ۹۵

۱۶۔ ڈاکٹر مشتاق احمد وانی، تقسیم کے بعد اردو ناول میں تہذیبی بحران، ص ۲۲۴

۱۷۔ شوکت صدیقی، خدا کی بستی، ص ۹۷

۱۸۔ محمد علی منظر، خدا کی بستی: ایک تفصیلی مطالعہ، ص ۲۴۶

۱۹۔ شوکت صدیقی، خدا کی بستی، ص ۲۱۵

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۶۳

۲۱۔ ڈاکٹر خالد اشرف، برصغیر میں اردو ناول، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۵ء)، ص ۴۷

۲۲۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان، اردو ناول کے بدلتے تناظر، ص ۱۰۰

مآخذ

۱۔ اشرف، خالد، ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۵ء

۲۔ امجد، رشید، ڈاکٹر، پاکستانی ادب کے نمایاں رجحانات، مشمولہ پاکستان میں اردو ادب کے پچاس سال، راولپنڈی:

گندھارا بکس، ۲۰۰۵ء

۳۔ ٹالبوٹ، آئن، تاریخِ پاکستان، مترجم: طاہر منصور فاروقی، لاہور: تخلیقات، ۲۰۱۱ء

۴۔ حسن، سبطِ، پاکستان میں تہذیب کا ارتقا، کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۸۳ء، چوتھی بار

۵۔ خان، ممتاز احمد، ڈاکٹر، اردو ناول کے بدلتے تناظر، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۰۷ء، طبع ثانی

۶۔ رئیس، قمر، ڈاکٹر، جدید اردو ناول، مشمولہ جدیدیت اور ادب، مرتبہ: آل احمد سرور، علی گڑھ: شعبہ اردو مسلم یونی ورسٹی، ۱۹۶۹ء

۷۔ صدیقی، شوکت، خدا کی بستی، کراچی: رکتاب پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء

۸۔ عثمان، فاروق، ڈاکٹر، اردو ناول میں مسلم ثقافت، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۰۲ء، طبع اوّل

۹۔ فوق، حنیف، ڈاکٹر، پاکستانی ادب کے چند گوشے، مشمولہ پاکستانی ادب (جلد اول)، مرتبین، رشید امجد، ڈاکٹر، فاروق علی، راولپنڈی: ایف جی سر سید کالج، مئی ۱۹۸۱ء

۱۰۔ ورانی، مشتاق احمد، ڈاکٹر، تقسیم کے بعد اردو ناول میں تہذیبی بحران، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، ۲۰۰۲ء، طبع اوّل

رسائل و جرائد

۱۔ سیپ، خاص نمبر، شمارہ نمبر ۶۶، سیپ پبلی کیشنز، کراچی، جنوری، فروری ۱۹۹۸ء

Refrences

1. Dr. Rasheed Amjad, *Pakistani Adab kay numayan Rujhanat* in *Pakistan mein Urdu Adab kay Pachas Saal*, Editor: Nawazish Ali, (Rawalpindi: Gandhara Books, 2005), p. 25
2. *Urdu Encyclopedia*, (Lahore: Ferozsons Ltd., January, 1984), p. 764, 3rd Ed.
3. Sibt-e-Hassan, *Pakistan mein Tehzeeb ka Irtiqa*, (Karachi: Maktaba-e-Daniyal, 1983), p. 390, 4th Ed.
4. Ian Talbot, *Tareekh-e-Pakistan*, Trans. Tahir Mansoor Farooqi, (Lahore: Takhleeqat, 2011), p. 26
5. Dr. Rasheed Amjad, *Pakistani Adab kay nomayan Rujhanat* in *Pakistan mein urdu adab kay Pachas Saal*, p26
6. Dr. Mushtaq Ahmed Wani, *Taqseem kay bad Urdu Novel mein Tehzeebi Bohran*, (Delhi: Educational Publishing House, 2002), p. 220, 1st Ed.
7. Dr. Mumtaz Ahmed Khan, *Urdu Novel kay Badaltay Tanazur*, (Lahore: Maghribi Pakistan Urdu Academy, 2007), p. 93, 2nd Ed.
8. Shaukat Siddiqi, *Khuda ki Basti*, (Karachi: Raktab Publications, 2009), p. 202
9. Dr. Hanif Fauq, *Pakistani Adab kay Chand Goshay*, in *Pakistani Adab*, Ed. Raheed Amjad, Farooq Ali, (Rawalpindi: F. G. Sir Syed College, May 1981), p.622
10. Shaukat Siddiqi, *Khuda ki Basti*, p. 265, 1st Ed.
11. Ibid, p. 262
12. Dr. Qamar Raees, *Jadeed Urdu Novel*, in *Jadeediat aur Adab*, Ed. Al-e-Ahmed Suroor, (Aligarh: Urdu Dept., Muslim University, Aligarh, 1969), p. 203

13. Shaukat Siddiqi, *Khuda ki Basti*, p.253
14. Dr. Mumtaz Ahmed khan, U*rdu Novel kay Badaltay Tanazur*, p.95
15. Dr. Mushtaq Ahmed Wani, *Taqseem kay bad Urdu Novel mein Tehzeebi Bohran*, p. 224
16. Muhammad Ali Manzar, *Khuda ki Basti: Aik Tafseeli Mutalia*, in *Seep,* Special Issue, Jan-Feb. 1998, Seep Publications, Karachi, p. 246
17. Shaukat Siddique, *Khuda ki Basti,* p. 215
18. Ibid, p. 163
19. Dr. Khalid Ashraf, *Bar-e-Sagheer mein Urdu Novel*, (Lahore: Fiction house, 2005), p.74
20. Dr. Mumtaz Ahmed Khan, U*rdu Novel kay Badaltay Tanazur*, p.100

Bibliography:

1. Ashraf, Khalid, Dr., *Bar-e-Sagheer mein Urdu Novel*, (Lahore: Fiction house, 2005
2. Amjad, Rasheed, Dr., *Pakistani Adab kay numayan Rujhanat* in *Pakistan mein Urdu Adab kay Pachas Saal*, Editor: Nawazish Ali, Rawalpindi: Gandhara Books, 2005
3. Fauq, Hanif, Dr., *Pakistani Adab kay Chand Goshay,* in *Pakistani Adab,* Ed. Raheed Amjad, Farooq Ali, Rawalpindi: F. G. Sir Syed College, May 1981
4. Hasan, Sibt-e-, *Pakistan mein Tehzeeb ka Irtiqa,* Karachi: Maktaba-e-Daniyal, 1983, 4th Ed.
5. Khan, Mumtaz Ahmed, Dr., *Urdu Novel kay Badaltay Tanazur*, Lahore: Maghribi Pakistan Urdu Academy, 2007, 2nd Ed.
6. Raees, Qamar Dr., *Jadeed Urdu Novel*, in *Jadeediat aur Adab,* Ed. Al-e-Ahmed Suroor, Aligarh: Urdu Dept., Muslim University, Aligarh, 1969
7. Siddiqi, Shaukat, *Khuda ki Basti*, Karachi: Raktab Publications, 2009
8. Talbot, Ian*, Tareekh-e-Pakistan*, Trans. Tahir Mansoor Farooqi, Lahore: Takhleeqat, 2011
9. Wani, Mushtaq Ahmed, Dr., *Taqseem kay bad Urdu Novel mein Tehzeebi Bohran*, Delhi: Educational Publishing House, 2002, 1st Ed.

Magazines:

1. *Seep*, Special Issue, Jan-Feb. 1998, Seep Publications, Karachi

Encyclopeadia:

1. *Urdu Encyclopedia*, Lahore: Ferozsons Ltd., January, 1984, 3rd Ed.